نواب سلطان جہاں بیگم کے سفرنامے 'سفرِ کشورِ حجاز' کا نوآبادیاتی مطالعہ

A Colonial Study of Nawab Sultan Jahan Begum's Travelogue "Safar-e-Kishwar-e-Hijaz"

ڈاکٹر روبینہ پروین[i]

Abstract:

Nawab Sultan Jahan Begum (1853-1930) was a prominent writer and feminist activist of the colonial era. She is considered to be the fourth most successful woman ruler of Bhopal state. She established many institutions for the welfare and development of her state as well as for the welfare of women. Nawab Sultan Jahan was very fond of writing and compiling. She was the most prolific Indian woman and became the first woman chancellor of Aligarh Muslim University. Nawab Begum was awarded many honors by the British Empire for her services. She had good relations with the British Empire. Which benefited the state of Bhopal. In this research paper, Nawab Sultan Begum's travel book "Safar-e-Kishwar-e-Hijaz" has been studied.

Keywords: *Travelogue, Colonialism, Sultan Jahan Begum, Bhopal, Sikandar Jahan Begum, British Empire.*

نواب سلطان جہاں بیگم (1930-1853) نوآبادیاتی دور کی ایک ممتاز مصنفہ اور حقوق نسواں کی کارکن تھیں۔ وہ بھوپال ریاست کی چوتھی کامیاب ترین خاتون حکم ران سمجھی جاتی ہیں۔ انھوں نے اپنی ریاست کی فلاح و بہبود اور ترقی کے ساتھ ساتھ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے ادارے قائم کیے۔ نواب سلطان جہاں کو تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا۔ وہ قابل ہندوستانی خاتون تھیں اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پہلی خاتون چانسلر بنیں۔ نواب بیگم کو ان کی خدمات پر برطانوی سلطنت نے بہت سے اعزازات سے نوازا۔ ان کے برطانوی سلطنت کے ساتھ اچھے تعلقات تھے، جس کا فائدہ ریاست بھوپال کو ہوا۔ اس مقالے میں نواب سلطان جہاں بیگم کے سفرنامہ ''سفرِ کشورِ حجاز'' کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: سفرنامہ، نوآبادیات، سلطان جہاں بیگم، بھوپال، سکندر جہاں بیگم، سلطنت برطانیہ۔

کسی طاقت ور ملک کا اپنی حدود سے باہر، کسی دوسرے ملک کی حکومت کو ختم کرکے وہاں اپنی حکومت کو قائم کرنا اور مقامی لوگوں کے حقوق کا استحصال کرکے اپنی معیشت کو مضبوط کرنا نوآبادیات کہلاتا ہے۔ اس کے لیے انگریزی میں Colonialism اور اردو میں نوآبادیات کی اصطلاح رائج ہے۔ ڈکشنری آف دی انگلش لینگوئج (Dictionary of the English Language) کے انسائیکلوپیڈیا ایڈیشن میں نوآبادیات کے متعلق یہ تعریف درج ہے۔

"The Policy of a nation seeking to acquire, extend or retain overseas dependencies."[1]

نوآبادیات کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ یہ ایک ایسا منظّم نظام ہوتا ہے کہ جس میں کسی طاقت ور ملک کا اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسرے ملک میں حکومت بنانا اور اپنے اصلی ملک سے بھی جڑے رہنا

[i] شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

نوآبادیاتی نظام کہلاتا ہے۔ اس کی وضاحت انگریزی کی لغت *Longman* میں اس طرح درج ہے۔

"Control by one power over a dependent area of people. A Policy advocating based on such control."[2]

اس تعریف کے مطابق کسی قوم یا کسی بھی ملک پر اقتدار حاصل کرنے کو نوآبادیات کہا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل کے بارے میں ایک ماہر ادیبہ Gina Wisker اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں:

"Colonialism means the settlement of people and so the colonization of lands by powers from other, usually economically richer, more powerful lands."[3]

دی انسائیکلو پیڈیا امریکا (*The Encyclopedia America*) میں نوآبادیات سے مراد یہ ہے:

''بہت سی یورپی طاقتوں نے اپنی آبائی ریاستوں سے معاشی اور عسکری فوائد کے لیے یورپ سے باہر جو سکونت (Settlement) اختیار کی اسے نوآبادیات کہا جائے گا۔''[4]

نوآبادیاتی نظام میں طاقت ور طبقہ کمزوروں پر حاوی ہوتا ہے اور وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسروں کا استحصال کرکے خود کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جاتا ہے۔ کولونیل ازم جو قریباً ہمیشہ امپریل ازم کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ دور دراز خطے پر آبادکاری کو مسلط کرنے کا نام ہے۔ [5] نوآبادکار خود کو مستحکم اور قابض کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اپنی طاقت سے دوسروں کو کچل کر اپنا مطیع و تابع بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ ملک میں ایسی حکمت عملی اختیار کرتا ہے کہ محکوم آبادی اسے اپنا ہمدرد سمجھیں۔ نوآبادیاتی نظام ایک ایسا قابضانہ نظام ہے کہ جس میں محکوم قوم کی ساری صلاحیتیں مفلوج کرکے اسے اپنا دستِ نگر بنا کر اپنا مفاد حاصل کیا جاتا ہے۔ نوآبادیات کی تعریف کے متعلق مختلف کتب اور لوگوں میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔

نوآبادیاتی نظام طاقت کے بل بوتے پر قائم کیا جاتا ہے اور محکوم آبادی کو اپنے قبضے میں مستقل طور پر رکھنے کے لیے طاقت کے نئے نئے حربے استعمال کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنا دیرپا تسلط قائم رکھنے کے لیے انھیں ذہنی طور پر غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ محکوم آبادی سے سیاسی، ثقافتی اور ذہنی اطاعت کا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ وہ یہ سب بڑی منصوبہ بندی سے کرتے ہیں۔ نوآبادکار مقبوضہ علاقے کے

محکوموں کو حکومتی امور میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتے بلکہ انھیں کم تر درجے کی نوکریاں فراہم کی جاتی ہیں اور کچھ لوگ انھیں ایسے بھی مل جاتے ہیں جنھیں یہ لوگ اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں، نوآبادیاتی نظام کے متعلق ایڈورڈ سعید لکھتے ہیں کہ "سامراجیت کا مطلب اپنے تصرف سے باہر کی، دور دراز اور دوسروں کی زیرِ ملکیت زمین کے متعلق سوچنا، وہاں آباد اور قابض ہونا ہے۔"[6]

نوآبادیات دراصل ایک نظریہ ہے، ایک رجحان ہے کہ طاقت ور اقوام جب مفتوح اقوام پر قبضہ کر لیتی ہیں اور انھیں اپنا محکوم بنا لیتی ہیں تو وہ اس کے سماجی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی نظام پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ فاتح قوم محکوم سے ان کا کلچر چھین کر انھیں اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے وہ لوگ ان کی زبان کی اہمیت ختم کر دیتے ہیں کیوں کہ زبان ہی سب سے بڑا آلہ کار ہے کسی قوم کو اپنے قبضے میں کرنے کا اور وہ زبان تبدیل کرتے ہیں اور وہ اپنی حکمت عملیوں سے اپنی اقتدار کو وسعت دیتے ہیں۔ ایسے عمل میں محکوم آبادی مزاحمت تک کرنے کا حوصلہ کھو دیتی ہے۔ اس طرح وہ قابض قوم کو اپنا آقا تصور کرتے ہوئے اپنی قسمت پر صابر و شاکر ہو کر رہ جاتے ہیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم ۹ جولائی ۱۸۵۸ء میں ایوان موتی محل بھوپال میں پیدا ہوئیں۔[7] آپ کے والد کا نام نواب امراؤالدولہ باقی محمد خان اور والدہ بھوپال کی تیسری حکمران نواب شاہ جہاں بیگم تھیں۔ جس سال آپ پیدا ہوئیں، اسی سال آپ کی نانی نواب سکندر جہاں بیگم کو ریاست بھوپال کی حکمران اور والدہ شاہ جہاں بیگم کو رئیسہ بھوپال تسلیم کر لیا گیا تھا۔ نواب سکندر جہاں بیگم کو حکومت برطانیہ نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے کے صلے میں ایک پورا ضلع جاگیر دی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کو "اسٹار آف انڈیا" کا تمغہ اور خلعت عطا ہوئی۔ نواب سکندر بیگم اپنی کامیابیوں اور تمام اعزازات کو سلطان جہاں کی نیک بختی سمجھتی تھیں۔ اس وجہ سے انھوں نے آپ کی پیدائش پر چھے ماہ تک ریاست میں جشن منعقد کروایا اور اس موقعہ پر غربا و مستحقین میں خیرات و انعامات تقسیم کیے گئے۔ نواب سکندر جہاں نے بڑی فیاضی سے عقیقہ کی رسم ادا کی اور سلطان جہاں نام رکھا۔ سلطان جہاں جب پانچ سال کی ہوئی تو بڑی دھوم دھام سے بسم اللہ کی رسم ادا کرنے کے بعد ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔ نواب سکندر بیگم نے ان کی پرورش کی تمام تر ذمہ داری خود لے لی اور ان کے سونے، اٹھنے، کھانے، پینے، سواری اور

سیر کرنے کا ایک ضابطہ تحریر کیا۔ اسی طرح ان کو تعلیم دینے کے لیے بھی وقت اور اساتذہ کا انتخاب کیا گیا۔ ہر مضمون کے لیے الگ الگ اساتذہ مقرر کیے، جن سے وہ خود رپورٹ طلب کرتی تھیں۔

سلطان جہاں کو قرآن مجید، تفسیر، حدیث، خوش خطی، فارسی، عربی، انگریزی اور پشتو کی تعلیم کے علاوہ آبائی فنون سپہ گری بھی سکھائے جانے لگے۔ آپ کو مصوری سے خاص دل چسپی تھی، جو بعد میں بھی قائم رہی۔ انھوں نے اس فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اپنی ریاست میں پارسی مصور خواتین کو بلایا اور ان سے اس فن کی مشق سیکھی اور اس کے بعد آپ بڑی مہارت سے تصاویر بنا لیتی تھیں۔ غرض یہ کہ ان کے لیے ایسی تعلیم کا اہتمام کیا گیا جو ایک کامیاب حکمران کے لیے ضروری تھی۔ ۱۳۰۴ھ میں آپ کے والد کا انتقال ہوا اور اس کے تھوڑے عرصے بعد جب آپ دس سال کی تھی تو آپ کی نانی نواب سکندر جہاں وفات پا گئیں۔ ریاستی امور کی تمام تر ذمہ داری آپ کی والدہ نواب شاہ جہاں کے سر آ گئی۔ انھیں فرماں روائے ریاست اور سلطان جہاں کو باقاعدہ طور پر ولی عہد ریاست تسلیم کر لیا گیا۔ اگرچہ آپ کم عمر تھی، مگر پھر بھی بھرے دربار میں سلطنت برطانیہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایسی تقریر کی، جس کو سن کر ان کی جرأت اور قابلیت پر تمام لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا۔ نواب سلطان جہاں اپنی نانی کی وفات کے بعد اپنی تعلیم کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”تعلیم کا جو نظام متعین تھا اس میں درہمی و برہمی ہو گئی۔ خوش خطی کی مشق بالکل جاتی رہی۔ اگرچہ قرآن مجید گیارہ (۱۱) سال ہی کی عمر میں ختم ہو چکا تھا مگر دَور (دہرائی) کرتی تھی اور مولوی جمال الدین خاں صاحب بہادر مدار المہام ایک گھنٹہ ترجمہ اور تفسیر پڑھاتے تھے۔ مولوی محمد ایوب صاحب بھی ایک گھنٹہ تعلیم فارسی دیتے تھے۔ دو گھنٹے انگریزی تعلیم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ میری روبکاری میں صدود احکام کے لیے دو کاغذات بھی پیش ہوتے تھے جن کی نسبت سرکار خلد مکان کا خاص حکم ہوتا تھا۔“ [8]

نواب سکندر جہاں نے اپنی نواسی کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ انگریزی تعلیم کو بہت ضروری سمجھتے ہوئے یورپین اساتذہ سے ان کا امتحان دلواتی اور انگریزوں سے گفتگو بھی کرواتی۔ تاکہ انھیں زبان دانی میں مہارت حاصل ہو۔ ڈاکٹر رضیہ حامد ان کی تعلیم و تربیت کے متعلق تحریر کرتی ہیں:

> ”سلطان جہاں بیگم کی ذکاوت اور ذہانت کو سکندر جہاں بیگم کی تربیت نے جلا بخشی۔ انھوں

نے جلد ہی اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی میں مہارت حاصل کر لی۔ نشانہ بازی، گھڑ سواری میں باکمال استادوں کی زیرِ نگرانی مشتاق ہو گئیں۔ فنون سپہ گری اور تیر اندازی سے سلطان جہاں پوری طرح واقف ہو گئیں تھیں۔"[9]

نواب سکندر جہاں نے اپنی نواسی کی تربیت کرتے ہوئے ایک حکمران کے اوصاف کے ساتھ ایک خاتون کے اوصاف اور ذمہ داریوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا اور انھیں امورِ خانہ داری، دست کاری، کشیدہ کاری کی تعلیم بھی دی تھی۔ سلطان جہاں کی شادی کے لیے نواب سکندر بیگم نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ جلال آباد کے ایک فاطمہ خیلی قبیلے کے لڑکے احمد علی خان کا انتخاب کیا اور انھیں اپنے ہمراہ بھوپال لے آئیں اور انھوں نے اپنی زیرِ نگرانی ان کی تعلیم و تربیت کی۔ نواب سکندر نے ان دونوں کی ابھی باقاعدہ کوئی رسم ادا نہیں کی تھی کہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں کا سلطان جہاں کے لیے پیغامِ عقد آیا مگر باہمی صلاح مشورے سے سلطان جہاں کا عقد احمد علی خان سے کر دیا گیا۔ اس وقت سلطان جہان ۱۶ سال اور احمد علی خان ۱۸ سال کے تھے۔

نواب شاہ جہاں کی وفات (۱۹۰۱ء) کے بعد باقاعدہ طور پر امور سلطنت سلطان جہان کو حاصل ہوئے۔ آپ نے ریاست کا انتظام سنبھالتے ہی دیکھا کہ قحط اور سابقہ بد نظمی کی وجہ سے ریاست کی حالت نہایت ابتر ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے نہایت قابلیت کے ساتھ انتظام کرنا شروع کیا۔ لیکن ریاست ملے ابھی پورے سات سال بھی نہ ہوئے تھے کہ نواب احمد علی خان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے لیے یہ صدمہ ایک بہت بڑی آزمائش تھا۔ مگر آپ نے ریاست کی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سنبھالی۔

جو لوگ آپ کی قابلیت سے ناواقف تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ انتظام ریاست نواب احمد علی خان سنبھال رہے ہیں۔ نواب سلطان جہاں نے ریاست کو ترقی دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اصل محنت اور صلاحیت انھی کی تھی۔ نواب سلطان جہاں بیدار مغز اور معاملہ فہم حکمران تھیں۔ آپ نے تن تنہا ریاست کے کام نہایت سر گرمی اور مستعدی سے سرانجام دیے۔ متعدد اضلاع کے دورے کیے، رعایا کی اصل حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور ان کی مشکلات کو فوری طور پر دور کیا۔ اس بارے میں نواب سلطان جہاں بیگم لکھتی ہیں:

"میں نے اپنے دوروں میں یہ بھی التزام رکھا تھا کہ مستاجر (زمین کی سالانہ آمدن سے

رقم لے کر کام کرنے والے) اور کاشت کاروں کی عورتوں سے بے تکلفانہ ملاقات کروں کیوں کہ علاوہ اس کے مجھے صحیح صحیح حالات کا علم حاصل ہو ان کو مجھ سے باتیں کرنے اور ملنے میں ایک خاص خوشی ہو گی جس گاؤں سے میری سواری کا گذر ہوتا تھا جوق در جوق عورتیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں لئے ہوئے راہگذر پر اپنے رواج کے مطابق پانی کا برتن لے کر کھڑی ہو جاتیں۔"[10]

نواب سلطان جہاں بیگم نے ریاست کے تمام شعبوں کی طرف توجہ دی۔ سب سے پہلے اس کی مالی حالت کو جدید طریقے کے مطابق بنایا جس کی بدولت پہلے ہی سال میں تقریباً تین لاکھ اور دوسرے سال ساڑھے چھے لاکھ آمدنی میں اضافہ ہوا اور اخراجات کی زیادتی کو دیکھتے ہوئے بعض فضول دفاتر بند کر دیے گئے۔ قوانین، پولیس، عدالتیں اور وکیلوں کی تہذیب و اصلاح پر بھی توجہ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست بھوپال کی عدالتوں کے وقار میں اضافہ ہوا۔ ایک چیز جس کی طرف نواب سلطان جہاں بیگم نے سب سے زیادہ توجہ دی، وہ تعلیمی نظام تھا۔ کیوں کہ آپ خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں اور تعلیم کی افادیت سے بہت اچھی طرح آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی پُرزور حامی بھی تھیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ تعلیم نسواں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے اپنی ریاست میں سلطانیہ سکول، مدرسہ وکٹوریا، مدرسہ بلقیسی، برجیسہ کنیا پاٹ شالہ، مدرسہ سکندری، صنعتی مدرسہ، نرسنگ سکول، مدرسہ طبّی آصفیہ قائم کیے۔ پورے ہندوستان میں خواتین کی ایسی کوئی تحریک نہ تھی، جہاں ان کی رسائی نہ ہو اور ان کے فیض سے محروم ہو۔ ان کی تعلیمی کاوش کے بارے میں و۔ اصاحبہ یوں تحریر کرتی ہیں:

"ہرہائنیس نے جاگیرداروں اور شاہی خاندان والوں کو تعلیم کا شوق دلانے کے لیے بے انتہا جدوجہد کی۔ ہر موقع پر تعلیم کی نصیحت کے علاوہ عطیات، انعامات اور عطائے وظائف کے ذریعہ ان کی تالیف قلب کی اور ایسے طریقے بھی اختیار کیے جن سے ایک حد تک وہ تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے۔"[11]

ریاست کے ان تمام ترقیاتی اور عوام کی بہبود کے کاموں کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی مشاغل کے لیے بھی وقت نکالتی تھی۔ انھوں نے چالیس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ ان تصانیف میں اپنی اور اپنے خاندان کی سوانح عمریاں کے علاوہ معیشت، معاشرت، حفظان صحت، علوم و فنون، تاریخ و سیاحت،

خانہ داری، تربیت اولاد، دست کاری وغیرہ پر بھی کتابیں لکھیں۔ آپ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی پہلی خاتون چانسلر بنیں اور تادمِ مرگ (۱۹۳۰ء) اس یونی ورسٹی کی چانسلر رہیں۔ سیرت نبویؐ تحریر کرنے کے لیے علامہ شبلی کو گراں قدر امداد دی۔ سیرت عائشہؓ، سیر العجابیات اور سیرت الصحابہؓ بھی ان کی مالی امداد سے شائع ہوئیں۔ انجمن ترقی اردو دار العلوم دیوبند اور دوسرے دینی اور علمی مدارس کی کھلے دل سے معاونت کرتیں رہیں۔ نواب سلطان جہاں کو ان کی خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ نے مختلف اعزازات جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ آئی۔ سی، سی۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای سے نوازا۔ نواب سلطان جہاں ریاست بھوپال کی چوتھی ایسی خاتون تھیں جنھوں نے بڑی شان و شوکت سے حکمرانی کی۔

نواب سلطان جہاں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ۸ اپریل ۱۹۱۱ء میں یورپ گئیں اور ان کی بہو شاہ بانو نے اس سفر کی روداد کو نواب بیگم کے مشورے اور یادداشتوں سے سیاحت سلطانی کے نام سے ۱۹۱۵ء میں سفر نامے کی صورت میں شائع کیا۔ اس سفر کے علاوہ انھوں نے فریضہ حج ادا کیا اور روضۃ الریاحین کے نام سے حج نامہ تحریر کیا۔

نواب سلطان جہاں کو تصنیف و تالیفات کا بے حد شوق تھا اور اس کے لیے انھوں نے ایک خاص شعبہ قائم کیا۔ جس میں ملک کے نامور لوگوں کی خدمات حاصل کی گئی۔ نواب بیگم تمام تصنیفات کے مسوّدوں پر نظرثانی خود کرتیں تھیں اور وہ ہندوستانی خواتین میں سب سے زیادہ کثیر التصانیف خاتون تھیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم ہر ہائینس کو اپنی والدہ شاہ جہاں بیگم کی طرح فنِ تعمیر کا بھی شوق تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی ریاست میں کئی عالی شان پبلک اور ذاتی عمارتیں تعمیر کروائیں۔ اس کے علاوہ صنعت و حرفتی سکول اور یتیم خانے بھی قائم کیے۔ یہاں سے بچیوں کی شادیاں بھی سرکاری خرچ سے کی جاتیں تھیں۔

ان تمام حیثیتوں کے علاوہ آپ کی عظمت کا سبب آپ کے محاسن اخلاق تھے۔ آپ طبعاً نہایت رحم دل، فیاض، خلیق، دردمند اور ملنسار تھیں۔ ایک ریاست کی فرماں روا ہونے کے باوجود آپ کے مزاج میں انکساری پائی جاتی تھی۔ وہ دوسروں کی خطاؤں کو درگزر کر دیتیں اور بسا اوقات محض چشم پوشی ہی اصلاح کے لیے ضروری سمجھتی تھیں۔ نواب سلطان بیگم نہ صرف اپنی رعایا کے ہر طبقے کے ساتھ مساوات کا

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

خیال رکھتیں بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ نہایت فراخ نظری اور رواداری کا برتاؤ کرتی تھیں۔ ان تمام صفات کے علاوہ وہ نہایت صابر اور مستقل مزاج خاتون تھیں۔ ان کے کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ جسے بیان کرنے کے لیے کئی کتابیں تخلیق ہو سکتی ہیں۔ سرزمین بھوپال کا یہ درخشاں ستارہ اپنی روشنی بکھیر کر ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو دوسرے جہاں کی مسافرت پر روانہ ہو گیا۔ نواب سلطان جہاں کو ان کی وفات کے بعد "فردوس آشیاں" کا لقب دیا گیا۔

نواب سلطان جہاں بیگم کا شمار ریاست بھوپال کی کامیاب ترین حکم ران خواتین میں ہوتا ہے۔ وہ ریاست بھوپال کی چوتھی خاتون حکمران تھیں۔روضۃ الریاحین (سفرنامہ سفرِ کشور حجاز) ہر ہائی نس نواب سلطان جہاں بیگم کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفرِ حج ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء سے شروع ہو کر ۴ اپریل ۱۹۰۴ء کو اختتام پذیر ہوا۔ یہ سفر تقریباً چھے ماہ کی مدت پر مشتمل تھا اور اس سفر نامے کو حافظ کرامت اللہ نے مطبع سلطانی سے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔ اس سفر نامے کے اختتام پر بھی سنہ تاریخ ۸ جمادی الثانی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء درج ہے۔ اس سفر نامے کی اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر محمد شہاب الدین لکھتے ہیں کہ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں نواب سلطان جہاں بیگم کا سفر نامہ حج روضۃ الریاحین المعروف بہ سفر نامہ سفر کشورِ حجاز شائع ہو چکا تھا۔

نواب سلطان جہاں نے ۸ شعبان ۱۳۲۱ھ بمطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں ایک بڑے قافلے کے ساتھ سفر اختیار کیا۔ جس میں تقریباً ۵۰۰ کے لگ بھگ لوگ شامل تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیٹی بلقیس خانم، دو بیٹے حافظ محمد عبید اللہ، نواب حمید اللہ اور ان کی بہو شہر یار دلھن صاحبہ بھی تھیں۔ یہ سفر نامہ (روضۃ الریاحین) ان کے حج کے سفر کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ جس میں اس زمانے کی سیاست اور حکومتی ارکان برطانیہ کے متعلق بھی اہم معلومات ملتی ہیں۔ یہ سفر نامہ اس لیے بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اردو ادب کا اولین حج نامہ ہے۔ بیگمات بھوپال میں نواب سکندر جہاں بیگم کے بعد یہ سعادت نواب سلطان جہاں کو حاصل ہوئی اور انھوں نے روضۃ الریاحین کے نام سے اردو ادب کا دوسرا حج نامہ تحریر کیا۔

نواب سلطان جہاں بیگم نے اپنے سفر نامے کا آغاز بسم اللہ سے کرنے کے بعد فارسی کا ایک قطعہ تحریر کیا ہے جس میں حمد و ثنا بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد انسان کی زندگی میں مذہب کی اہمیت بیان کی ہے کہ مذہب انسان کی زندگی کا لازمی جز ہے۔ جو بھی آدمی اس دنیا میں آیا ہے، وہ کسی نہ کسی مذہب کا پیروکار ہے

اور تمام مذاہب عیسائیت، ہندومت، سکھ مت، بدھ مت میں عبادت کی ادائیگی کے لیے عبادت گاہیں موجود ہیں۔ ان عبادت گاہوں کے علاوہ ایک مقدس مقام ایسا بھی ہے کہ جس کی عبادت اور زیارت سب سے افضل ہے۔ جس میں مسلمانوں کے مقدس مقامات مسجد نبوی اور کعبہ شریف شامل ہیں۔ مسلمان ان مقامات کی زیارت کو فریضہ حج کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے سفر اور سیاحت کی اہمیت و فضیلت قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کی ہے۔ یہ سفر نامہ جس کا نام ہی عربی زبان میں تحریر کیا گیا ہے (قوسین میں اردو مفہوم بھی دیا ہے) اس کے حصّہ اول میں بھی جا بجا قرآنی آیات استعمال کی گئیں ہیں مگر نواب سلطان جہاں کی تحریر کی عمدہ بات یہ ہے کہ انھوں نے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ حواشی میں دے دیا ہے تاکہ عربی زبان سے ناواقف قارئین ان آیات کے مفاہیم سے مستفید ہو سکیں جیسے کہ آیات مبارکہ:

انما المومنون اخوۃ

(مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں) [12]

و اللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً

(اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو کوئی پاوے اس تک راہ) [13]

مصنفہ نے اپنے اس حج نامے میں مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد و اتفاق، یگانگت اور محبت میں پروئے جانے کی عمدہ منظر کشی کی ہے۔ نواب سلطان جہاں بیگم کا کمال ایک تو یہ ہے کہ انھوں نے اس عہد میں سفر اختیار کیا جب سفر کی سہولتیں ناکافی تھیں اور عورتوں کا پردے کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا بھی مشکل تھا جیسا کہ وہ سفر نامے کے حصہ اول میں تحریر کرتی ہیں کہ سنِ شعور سے میری یہ دلی تمنا تھی کہ میں بھی اس متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ بلحاظ عام طرزِ معاشرت ہندوستانی کے شادی سے پہلے بلا معیت والدہ مکرمہ اس آرزو کا برآنا امکان سے باہر تھا۔ شادی کے بعد طرح طرح کے مخمصات خانگی و سرکاری بیش آجانے کی وجہ سے یہ تمنا پوری ہونے کی نوبت نہ آئی۔ [14]

دوسرا انھوں نے اس سفر نامے کے ذریعے اپنے عہد کے لوگوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔ کیوں کہ اس عہد کا زیادہ تر طبقہ ان پڑھ تھا اور وہ ابتدائی دینی ارکان جاننے کے علاوہ دیگر مناسکِ حج کے متعلق، راستے کی مشکلات، زیارات اور وہاں کی بود و باش کی معلومات سے نابلد تھے۔ نواب سلطان جہاں نے حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والی تعمیر کعبہ سے لے کر مختلف ادوار میں مختلف انبیاء کرام اور دیگر لوگوں کا

اس کی تعمیر میں حصہ لینا اور اس سے منسلک مختلف واقعات کو کہانی کی صورت میں ایسے بیان کیا ہے کہ اس حج نامے کو پڑھنے والا نہ صرف اس سفری احوال و واقعات سے لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ارکانِ حج اور بیت اللہ شریف کی پوری تاریخ سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔

مصنفہ نے بیت اللہ شریف کی حرمت و توقیر کو مختلف واقعات سے بیان کیا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل بھی عرب کے لوگ اس مقدس مقام کی عزت کرتے تھے۔ اس مقام کے آس پاس حرام کام نہ کرتے بلکہ اپنی دعائیں بھی یہاں مانگتے تھے۔ حتیٰ کہ حج کے دنوں میں تمام لڑائیاں بند کر کے امن قائم کرتے تھے۔

نواب سلطان جہاں بیگم چوں کہ علوم قدیم و جدید سے بہرہ مند تھیں۔ اس لیے وہ سیاحت کی افادیت سے بھی بخوبی واقف تھیں۔ انھوں نے اس سفر نامے میں قدیم سیاح ابنِ بطوطہ اور ابنِ زبیر کا بڑی ممنونیت سے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے دنیا کو جو معلومات فراہم کی ہیں اس کام کا احسان تا قیامت لوگوں پر رہے گا۔ اس ذکر سے اس بات کو تقویت بھی ملتی ہے کہ انھوں نے ان دنوں سیاحوں کے سفر ناموں کا مطالعہ کیا بھی تھا۔ اس بارے میں ایک اقتباس دیکھیے:

> ''یہ سب دیکھنے کو نظر چاہیے۔ دو آنکھیں سب کی ہیں لیکن ہر دل میں بصیرت اور ہر آنکھ میں مشاہدہ نہیں ہے صدیاں گزر گئیں کہ ایک متنفس بھی وہ گھر سے لے کر نہ نکلا جو ابن بطوطہ مراکش سے اور ابن زبیر ہسپانیہ سے لے کر نکلے تھے جن کے ذخیرۂ معلومات کا احسان علوم و فنون کی گردن پر قیامت تک رہے گا۔'' [15]

نواب سلطان جہاں بیگم کی نانی نواب سکندر جہاں بیگم نے ۱۸۶۴ء میں حج کے لیے سفر اختیار کیا اور واپسی پر مسز ڈیورنڈ کی فرمائش پر سفر حج کے حالات و واقعات کو یادداشت تاریخ وقائع حج کے نام سے تحریر کیا تھا۔ اس عہد میں خواتین کا سفر پر جانا خاصا مشکل تھا۔ نواب سلطان جہاں بھی حج کی سعادت حاصل کرنا چاہتی تھیں جس کا اظہار انھوں نے اس سفر نامے میں کیا ہے۔ وہ تحریر کرتی ہیں کہ ہندوستانی معاشرے میں کسی لڑکی کا شادی کے بغیر سفر پر جانا ممنوع ہے مگر شادی کے بعد خانگی اور حکومتی امور کی وجہ سے یہ خواہش التوا کا شکار رہی لیکن اب خدا کے فضل سے اور ریاست کے انتظام و انصرام میں بہتری آنے کی وجہ سے یہ سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

اس سفر نامے کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصے کے ذیلی ابواب بھی ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

باب اوّل: عرب کا جغرافیہ

باب دوم: کعبہ شریف کی بنیاد قبل ظہور اسلام (اس میں کعبہ شریف کی چھ بنیادوں کا ذکر ہے)

باب سوم: کعبہ شریف کی بنیاد بعد ظہور اسلام (اس باب میں کعبہ شریف کی چار بنیادوں کا ذکر ہے)

باب چہارم: تحلیہ اور کسوت کا بیان

باب پنجم: مسجد نبوی کی بنیاد (اس باب میں مسجد نبوی کی آٹھ بنیادوں کا ذکر ہے)

تتمۂ دفتر اول: (عرب کے سکوں اور مقامات پر مشتمل ہے)

ان ابواب کی تاریخی و دل چسپ معلومات کے بعد تتمۂ کے عنوان کے تحت عرب کے بتیس (۳۲) قدیم وجدید سکہ جات کی معلومات عہد بہ عہد تفصیلاً بیان کی ہے۔اس سفر نامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ نواب سلطان جہاں نے سعودی عرب کے ستتر (۷۷) مقدس مقامات وزیارات کو جس دل چسپ انداز سے بیان کیا ہے، اس سے بیگم صاحبہ کی علمی بصیرت اور مطالعہ کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔انھوں نے اس حصے میں نہ صرف مقدس مقامات کا تفصیلاً تعارف دیا ہے بلکہ ان مقامات کے افضل ترین اذکار اور دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں بھی بتایا ہے۔

اس سفر نامے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مصنفہ نے یہ حج نامہ صرف جذبات کی رو میں بہہ کر تخلیق نہیں کیا اور نہ صرف آنکھوں دیکھا حال اور دل پر گزرنے والی کیفیات کو تحریر کیا ہے بلکہ انھوں نے مقدس مقامات اور عرب کی جغرافیائی معلومات دینے کے لیے بہت سی تاریخی کتب کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ جس کا ثبوت ان کے سفر نامے میں جابجا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ انھوں نے کعبہ شریف کی مختلف ادوار میں تعمیر کو نہایت باریک بینی سے تحقیق کے بعد درج کیا ہے اور اپنی تحریر میں ساتھ ہی حوالے بھی دیے ہیں تاکہ معلومات میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے اور سفر نامہ پڑھنے والے کو مصدقہ معلومات حاصل ہو۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ نواب سلطان جہاں کی اس تصنیف کے ذریعے کعبہ شریف اور مسجد نبوی کی تعمیر کے متعلق معلومات جو مختلف حدیثوں، روایتوں، اقوال اور دیگر جگہوں پر درج تھیں۔ وہ تمام معلومات ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں ہیں اور یقین واثق ہے کہ اتنی مکمل، جامع اور عمدہ معلومات کسی اور حج نامے میں نہیں ملے گی۔ مصنفہ نے اپنی ان معلومات کو مستند ثابت کرنے کے لیے جن نامور اشخاص کی کتب سے

معلومات حاصل کی تھی۔ ان شخصیات کو بطور حوالہ بھی تحریر کیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ قطب الدین حنفی، امام ابو الولید ارزقی، مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، حضرت ابن عباسؓ، ابن راشد یمنی، مولانا طبری، شفا الغرام، صاحب سبیل الہدیٰ والرشاد، ابن ہشام، واقدیؒ، ذہبیؒ، صاحب نزہۃ الناظرین وغیرہ۔

سفر نامے کا دوسرا حصہ سفرِ حجاز کے لیے تیاری، روانگی اور دیگر حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ جس میں نواب بیگم اپنی غیر موجودگی میں ریاستی امور کی انجام دہی کے لیے فکر مند دکھائی دیتی ہیں اور اپنی رعایا کے ساتھ اپنی محبت و ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس سفر نامے میں سفر حج پر جانے کے لیے جو ریاستی امور سلطنت برطانیہ کے ساتھ طے کیے گئے تھے انھیں بھی سفر نامے میں نقل کر دیا گیا ہے بلکہ سفر حج کے انتظامی معاملات کے لیے دیگر لوگوں سے کی گئی خط کتابت کو جوں کا توں سفر نامے میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ جس سے سفر نامہ کم اور سرکاری و غیر سرکاری تاریخی دستاویزات کا ریکارڈ نامہ زیادہ لگتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس سفر نامے کو ابتدائی عہد کے سفر ناموں میں رکھ کر دیکھیں تو یہ بات معیوب نہیں لگتی۔ کیوں کہ اس عہد میں سفر نامے کے ذریعے دوسروں کو صرف بیرونی معلومات فراہم کرنا ہی سفر نامہ نگاروں کا مطمع نظر تھا۔

نواب بیگم نے اپنی غیر موجودگی میں ریاست بھوپال کے انتظامی معاملات کو عمدگی سے چلانے کے لیے حکومت برطانیہ کے ساتھ کچھ قانونی معاملات طے کیے اور پھر ریاست کے مختلف لوگوں کو فرائض تفویض کرنے کے بعد حج پر روانہ ہوئیں۔ انھوں نے اپنی غیر موجودگی میں اپنے بڑے بیٹے نواب نصر اللہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور دو بیٹوں نواب عبید اللہ اور نواب حمید اللہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس کے علاوہ نواب بیگم نے حکومت برطانیہ سے دو درخواستیں کیں۔ ایک تو یہ کہ انھیں راستے کے لیے ایک سرکاری ڈاکٹر مہیا کیا جائے۔ جس طرح ان کی نانی نواب سکندر جہاں بیگم کو مہیا کیا گیا تھا۔ دوسرا انھیں تیز رفتار ڈاک تار کی سہولت فراہم کی جائے تاکہ وہ ریاست بھوپال کے انتظامی معاملات کو روانی اور خوش گوار طریقے سے چلانے کے لیے اپنے بیٹے اور دیگر ریاستی اشخاص سے رابطہ کر سکیں۔

اس کے علاوہ نواب بیگم نے حکومت برطانیہ سے بحری جہاز کے بہترین انتظامات کی بھی درخواست کی اور اپنے ہمراہ جانے والوں کی تعداد تقریباً پانچ سو کے لگ بھگ بتائی۔ ان میں ڈھائی سو لوگ نواب بیگم کے

خاص آدمی اور باقی لوگ عوام میں سے تھے۔ جنھوں نے نواب بیگم سے حج کی سعادت حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس سفر نامے سے دیگر اہم ترین معلومات کے ساتھ ساتھ نواب سلطان جہاں اور سلطنت برطانیہ کے باہمی تعلقات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کس نوعیت کے تھے؟ برابری کے تھے؟ یا حاکم و محکوم کے؟

اس سفر نامے میں جہاں کہیں بھی سرکار برطانیہ کا ذکر آیا ہے تو نواب بیگم کی عقیدت و احترام دیدنی ہے۔ انھوں نے بڑے فراخ دلی سے حکومت برطانیہ کی فیاضیوں اور نوازشوں کا اظہار کیا ہے۔ انھیں یہ حکومت ہندوستانیوں کی خیر خواہ اور ہمدرد نظر آتی ہے۔ جن سے انھیں کوئی گلہ اور نقصان نہیں بلکہ اس سفر نامے میں کہیں بھی حاکم و محکوم یا غلام و آزاد کا تصور نظر نہیں آتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ کے تحت کام کرنے میں انھیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حالاں کہ اس عہد (۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۴ء) میں آزادی کی تحریکیں عروج پر تھیں۔ درج ذیل پیراگراف سے مذکورہ بالا گفتگو کا ثبوت ملتا ہے:

> ''اس مذہبی سفر میں جس خلوص اور دلسوزی و کشادہ دلی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ نے امداد فرمائی ہے۔ اس کے لیے مجھے اور تمام ہند کے مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ کیوں کہ مذہبی آزادی و آسائش جیسی آج برٹش رعایا کو حاصل ہے اور کہیں نہیں ہے۔ ہر مذہب و ملت کا احترام جو سلطنت برطانیہ نے پیشِ نظر رکھا ہے زمانہ اس کی نظیر کہیں نہیں دیکھتا۔'' [16]

اس سفر نامے کے مطالعہ کے دوران راقم الحروف کی نظر ایک لفظ دوستانہ/ دوست پر پڑی تو کافی حیرانی ہوئی کہ تقریباً سوا ایک صدی پہلے ایک خاتون کا غیر محرم مرد کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا خاصاً آزاد خیال سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسی خاتون جو ریاست بھوپال کی حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ پردہ اور صوم و صلوۃ کی پابند تھیں مگر جب ہم نواب سلطان جہاں کے دوسرے سفر نامے سیاحت سلطانی کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس سفر نامے میں خود بھی بڑی سختی سے پردے کا خیال رکھا تھا اور اپنی بہو شاہ بانو کو تو سلطنت برطانیہ کی شاہی تقریبات میں اس لیے نہ لے کر گئیں کہ کوئی ان کی تصویر نہ بنا لے اور بے پردگی ہو۔ میری دانست میں یہ لفظ شاید سرکار برطانیہ سے اپنی اپنائیت، بے تکلفی اور وفاداری ثابت کرنے کے خیال سے استعمال کیا گیا تھا۔ ورنہ اس کی جگہ لفظ مخلصانہ بھی استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اقتباس

ملاحظہ کیجیے:

"چوں کہ ہم لوگ دریائی سفر سے بہت کم واقف ہیں۔ اس واسطے مجھے امید ہے کہ جو بات میری سہولت اور آرام کی ہوگی اس کے بتانے اور اس کے انتظام میں مدد دینے میں آپ دریغ نہیں کریں گے۔ کیوں کہ آپ صرف دریائی سفر سے واقف ہی نہیں ہیں بلکہ آپ واقعات کے ماہر اور اس کے محافظ ہیں۔ چنانچہ اگر دوستانہ طور پر آپ سے دریافت کریں کہ جہاز سے اتر کو ینبوع تک جانے اور جدہ کے کنارے سے جہاز پر سوار ہونے کے واسطے کون سا انتظام سہولت وآرام کا ہو سکتا ہے۔" [17]

نواب سلطان جہاں بیگم جب حج کے لیے روانہ ہوئیں تو اس وقت (آج سے تقریباً سوا صدی پہلے ۱۹۰۳ء) بھی کرونا (کووڈ Covid) کی طرح کی بیماری طاعون (پلیگ) ہندوستان کے کچھ حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ جس نے ہندوستان سمیت دیگر ممالک میں بڑی تباہی کی تھی۔ اس زمانے میں بھی بیمار کو دس دن کے لیے سب سے الگ رکھا جاتا تھا۔ جیسے قرنطینہ کرنا کہا جاتا تھا۔ اس طاعون کی بیماری کی دہشت کو اکیسویں صدی کی وبائی بیماری کووڈ کو سامنے رکھتے ہوئے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس سفر نامے کے ذریعے اس عہد کے طبّی طریقوں اور طبّی سہولیات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"قرنطینہ کا طریقہ میرے لیے اختصاصاً واعزازاً براہ عنایت برٹش گورنمنٹ نے یہ قرار دیا ہے کہ میرا مع اپنے ہمراہیوں کے شہر سے کسی قدر فاصلہ پر نکل کر دس دن تک سب سے علیحدہ رہنا کافی ہے۔" [18]

اس سفر نامے کا زیادہ تر حصہ خط وکتابت کے ذریعے انتظامی معاملات طے کرنے پر مشتمل ہے۔ ایسا کرنے سے فائدے کے ساتھ ساتھ ادبی نقصان بھی ہوا ہے۔ ان کاروائیوں کو تحریر کرنے سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ حکومتوں (برطانیہ، عثمانیہ) اور ریاست بھوپال کے انتظامی معاملات اور باہمی تعلقات سفر نامے میں محفوظ ہو گئے ہیں اور جس کو عام قاری بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر عہد کے قارئین ریاست بھوپال کے اور حکومت برطانیہ کے تعلقات، سلطنت عثمانیہ کے نواب سلطان جہاں سے تعلق اور رویے کو جانچ اور پرکھ سکتے ہیں۔ ان تاریخی دستاویزات میں تاریخ اور سیاست سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے بہت سا تحقیقی مواد موجود ہے لیکن اس طویل خط وکتابت سے ادب کا قاری اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر

یہ بات ذہن نشین رکھی جائے کہ یہ سفر نامہ ابتدائی دور کا ہے۔ جب سفر نامے کی صنف سفری گائیڈ میں شمار ہوتی تھی تو ساری بدمزگی رفع ہو جاتی ہے۔

خواتین کے اردو سفر نامہ نگاری کی تاریخ میں روضۃ الریاحین (سفر نامہ سفر کشور حجاز) دوسرا سفر نامہ ہے۔ پہلا سفر نامہ نواب سکندر جہاں بیگم والیٔ بھوپال (نانی نواب سلطان جہاں) نے ۱۸۶۵ء میں تخلیق کیا تھا۔ یہ اردو ادب کے اولین سفر نامے ہیں۔ اردو ادب کا تیسرا سفر نامہ نازلی رفیعہ سلطان کا ہے۔ جو انھوں نے یورپ کی سیاحت کے بعد ۱۹۰۸ء میں تحریر کیا تھا۔ یہ سفر نامے اس عہد میں تحریر کیے گئے تھے۔ جب خواتین کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا جاتا تھا اور تعلیم کے دروازے صرف طبقہ اشرافیہ کی خواتین کے لیے کھلے تھے۔ اس طبقے کی خواتین جب دوسرے ملکوں کی سیاحت پر جاتی تھیں تو واپسی پر سیاحت کے حالات و واقعات میں دوسری ہندوستانی خواتین کو شامل کرنے کے لیے سیاحت نامے تخلیق کرتی تھیں تاکہ وہ بھی بیرونی دنیا کی نادر و نایاب معلومات اور عجائبات سے واقف ہو سکیں اور اپنی فلاح و بہبود کا سوچیں۔

اگر ہم قدیم سفر ناموں کو دیکھیں تو سب کا طرزِ تحریر یکساں ہے جس میں ملکوں کا جغرافیہ، تاریخ، حدود اربع، موسموں کا احوال، تہذیب و ثقافت، سڑکوں، عمارتوں اور شہروں کی خارجی معلومات پائی جاتی ہیں۔ سیاح کے ذاتی جذبات و احساسات اور دل چسپیوں کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں (اس عہد میں صرف یوسف خان کمبل پوش کا سفر نامہ عجائبات فرنگ ۱۸۴۷ء ہے جس میں بیرونی اور داخلی واقعات کا بیان ہے)۔ ان تمام قدیم سفر ناموں میں ادبی شان مفقود ہے اور وہ صرف دوسروں تک خارجی معلومات پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ نواب سلطان جہاں نے بھی انھی سفر ناموں کو بطور نمونہ اختیار کیا ہوگا اور اپنے سفری حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے انتظامی امور کی روداد کو بھی سفر نامے میں تحریر کر دیا تاکہ عوام الناس ان تمام کاوشوں سے بھی مستفید ہو سکیں جو انھوں نے حج پر جانے کے لیے کیں تھیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم نے کچھ سفری حالات و واقعات کو شعوری طور پر بھی تحریر نہیں کیا۔ جب وہ بحری جہاز میں سفر کر رہی تھیں تو بحری جہاز اور سمندری عجائبات کو سفر نامے کا حصہ بنانے سے دریغ کیا جیسا کہ وہ سفر نامے میں تحریر کرتی ہیں:

"دریا (سمندر) کے معمولی عجائب جن کا ذکر اکثر سفر ناموں میں ہے۔ اس موقع پر قابل

ذکر نہیں ہیں۔" [19]

اس سفر نامے کے ذریعے سلطان جہاں بیگم نے بڑی تاریخی معلومات فراہم کی ہیں۔ انھوں نے مکہ و حجاز کی مقدس زیارات کو جس دل چسپی اور عقیدت سے بیان کیا ہے اس سے بیگم سلطان جہاں کی علم دوستی اور علمی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سفرِ حج کی روانگی کے بارے میں محمد امین زبیری لکھتے ہیں:

"سرکار عالیہ نے اپنے ارادہ حج بیت اللہ کے متعلق جمیع رعایائے ملکِ محروسہ کے نام ایک اعدان کی اشاعت فرمائی جس کا ہر ایک فقرہ شفقت و عطوفت شاہانہ سے بھرا ہوا ہے اور عبدیت و فرائض حکومت کی اہمیت کے احساس کو نمایاں کر رہا ہے اور اپنی رعایا سے درخواست کی تھی کہ اگر لاعلمی یا بہ طریق دیگر کسی کے حقوق ادا کرنے میں قصور ہوا ہو تو معاف کر دے اور مقبولیت حج اور مع الخیر پر واپسی کی دُعا کرے۔" [20]

اس سفر نامے کے سرِورق سے لے کر اس کی کچھ عبارتیں عربی زبان میں ہیں لیکن نواب بیگم کے اسلوب کی اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے ہر عربی عبارت کا مفہوم بیان کیا ہے۔ اس عہد کے دیگر سفر ناموں کی طرح اس سفر نامے کا آغاز بھی بسم اللہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد فارسی کا یہ قطعہ درج ہے:

مقصد و جہان ز مہر و ماہ است یکے　　　رہبر و بود و لیک راہ است یکے
درمدح محمد و خدا فرقے نیست　　　گر چشم دو تا بود نگاہ است یکے [21]

اور پھر ایک آیت کے ذریعے سفر کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھادیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اس کو انسان نے۔" [22]

اس سفر نامے میں نواب سلطان جہاں نے اپنے سفر کی تیاری کے حکومتی معاملات، سفر کے فائدے، سلطنت برطانیہ کے ساتھ مراسم، عرب کا جغرافیہ، بیت اللہ کی بنیاد، ارکانِ حج اور مناسکِ حج کو بڑی تفصیل سے بیان کیا مگر عرب تہذیب و معاشرت پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ اس میں صرف حج اور حکومتی معاملات کی کاروائیاں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں جس کی وجہ سے ان کا سفر نامہ معلومات کا گنجینہ بن گیا ہے۔

مصنفہ نے اپنے سفر نامے کے ذریعے اہلِ ہندوستان کو حج کے متعلق راہنمائی پہنچانے کی کوشش

کی ہے۔ یہ سفر نامہ روزنامچے کی ہیئت میں ہے جس میں روانگی سے لے کر بندرگاہ و جہاز کے حالات، راہ حجاز میں اونٹوں کے سفر، منزلوں کے نام، بدوؤں کا پریشان کرنے کا ذکر، حاجیوں کے قافلوں پر بدوؤں کے حملے، لوٹ مار جیسے واقعات سے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اس سفر نامے میں مصنفہ نے روزمرہ بول چال کے عربی الفاظ اور جملوں کو بھی استعمال کیا ہے۔

یہ سفر نامہ اردو سفر نامہ نگاری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ابتدائی دور کے اہم سفر ناموں میں سے ایک ہے۔ مگر اس کا ذکر اردو سفر نامہ نگاری کی کسی بھی مشہور تاریخی کتب میں موجود نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ قدیم سفر نامہ ہے اور بیگمات بھوپال پر تحریر کی گئیں تمام کتب میں ان کے اسفار اور سفر ناموں کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ لیکن سوائے ڈاکٹر شہاب الدین کے کسی نے بھی ان سے استفادہ نہیں کیا اور خواتین کے سفر ناموں کی روایت اس سفر نامے کے ذکر کے بغیر ادھوری ہی رہی ہے۔ یہ سفر نامہ اردو ادب کا ایک اہم اور نادر و نایاب سفر نامہ ہے۔

لسانی اعتبار سے بھی یہ سفر نامہ اردو زبان کے ارتقائی مراحل کو جاننے کے لیے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اردو زبان اپنی نشو و نما کے مدارج طے کر رہی تھی اور عوام ادبی و علمی زبان کے طور پر اردو کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کا استعمال بھی کر رہے تھے۔ اس سفر نامے میں نواب سلطان جہاں بیگم نے جو زبان استعمال کی ہے۔ وہ انیسویں صدی کے وسط کی طرز املا کے مطابق ہے۔

یہ سفر نامہ چوں کہ نوآبادیاتی عہد میں تحریر کیا گیا ہے اس لیے یہ اپنے عہد کی ایک اہم تاریخی دستاویز بھی ہے۔ جس سے حکمران بھوپال کے سلطنت برطانیہ کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ حج نامہ کسی نمایاں اہمیت کا حامل نہیں ہے اور اس کا اندازِ تحریر محض بیانیہ ہے۔ جس میں شگفتگی اور خوش مزاجی نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ یہ حج نامہ ارکانِ حج اور مقاماتِ مقدسہ کی معلومات سے بھرپور ہے۔ اس سفر نامے کا بنیادی مقصد کلامِ لذت نہیں ہے، بلکہ ترسیل معلومات اور اظہارِ خیالات ہیں۔ نواب سلطان جہاں بیگم اپنی وارداتِ قلبی اور تجربات و مشاہدات میں سب کو شریک کرنا چاہتی تھیں اور وہ اس میں کامیاب رہیں ہیں۔ اس سفر نامے کی ادبی اہمیت تو شاید خاص نہ ہو مگر تاریخی اور معاشرتی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

حوالہ جات:

1 *The New International Webster's comprehensive Dictionary of the English Language (Encyclopaedia Edition), Vol: 1* (Naples: Trident Reference Publishing, 2006).

2 لانگ مین ڈکشنری آف انگلش لینگویج(*Longman Dictionary of English Language*)، ۱۹۸۴ء، ۲۸۸۔

3 *Key Concepts in Post-Colonial Literature* (Palgrave MacMillian, 2007).

4 دی انسائیکلو پیڈیا امریکن(*The Encyclopaedia American*)، انٹر نیشنل ایڈیشن، ۸۸۔

5 ناصر عباس نیر، ما بعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں (کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی، ۲۰۱۳ء)، ۷۔

6 ایڈورڈ سعید، ثقافت اور سامراج، مترجمہ: یاسر جواد (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء)، ۲۰۔

7 محمد امین زبیری مارہروی، حیات سلطانی (آگرہ: عزیزی پریس، ۱۹۳۹ء)، ا۔

8 نواب سلطان جہاں، تزک سلطانی (حصّہ اول)(بھوپال: مطبع سلطانی، ۱۳۲۸ھ)، ۴۵۔

9 رضیہ حامد، نواب سلطان جہاں بیگم (بھوپال: باب العلم پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ۸۲۔

10 محمد امین زبیری مارہروی، حیات سلطانی، ۱۸۔

11 و۔ا۔ صاحبہ، تذکرہ بیگمات بھوپال(لاہور: دار الاشاعت پنجاب، ۱۹۳۲ء)، ۴۰۔

12 نواب سلطان جہاں بیگم، روضۃ الریاحین(حصّہ اول)(بھوپال: مطبع سلطانی، ۱۹۰۴ء)، ۵۔

13 ایضاً، ۴۔

14 ایضاً۔

15 نواب سلطان جہاں بیگم، روضۃ الریاحین ، حصہ اول، ۷۔

16 نواب سلطان جہاں بیگم، روضۃ الریاحین ، حصہ دوم، ۲۶۔

17 ایضاً، ۶۵۔

18 نواب سلطان جہاں بیگم، روضۃ الریاحین، ۹۴۔

19 ایضاً، ۱۰۶۔

20 محمد امین زبیری مارہروی، حیات سلطانی، ۲۳۴۔

21 نواب سلطان جہاں بیگم، روضۃ الریاحین ، حصہ اول، ۲۔

22 ایضاً، ۲۔